کبھی کبھی

ساحر لدھیانوی

[redacted]

Sayeel Hassan

کبھی کبھی

FOZIA YOUNS

ساحر لدھیانوی

Fozia Younas

ماورا پبلشرز ۳۔ بہاولپور روڈ لاہور

ناشر ——— ماورا پبلشرز

مطبع ——— صوفی اکرام پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ——— ۳۰/ روپے

فہرست

غزلیں

۱ — تنگ آ چکے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم ، ۹
۲ — سزا کا حال سنائیں جزا کی بات کریں ، ۱۰
۳ — توڑ لیں گے ہر اک شے سے رشتہ توڑ دینے کی نوبت تو آئے ، ۱۱
۴ — یہ زمیں جس قدر سجائی گئی ، ۱۲
۵ — نغمہ جو ہے تو روح میں ہے نَے میں کچھ نہیں ، ۱۴
۶ — صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے ، ۱۵
۷ — میں زندہ ہوں یہ مشتہر کیجیے ، ۱۶
۸ — اہلِ دل اور بھی ہیں اہلِ وفا اور بھی ہیں ، ۱۷
۹ — بہت گھٹن ہے کوئی صورتِ بیاں نکلے ، ۱۸
۱۰ — ہر قدم مرحلۂ دار و صلیب آج بھی ہے ، ۱۹
۱۱ — بھڑکا رہے ہیں آگ لبِ نغمہ گر سے ہم ، ۲۰
۱۲ — نفس کے لوچ میں رم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے ، ۲۱
۱۳ — ہوس نصیب نظر کو کہیں قرار نہیں ، ۲۲
۱۴ — خودداریوں کے خون کو ارزاں نہ کر سکے ، ۲۴
۱۵ — دیکھا تو تھا یونہی کسی غفلت شعار نے ، ۲۵
۱۶ — جب کبھی ان کی توجہ میں کمی پائی گئی ، ۲۶

۱۷ — محبت ترک کی ہیں نے گریباں سی لیا میں نے ، ۲۸

نظمیں

۱۸ — شہکار ، ۳۱
۱۹ — سوچتا ہوں ، ۳۲
۲۰ — مجھے سوچنے دے ، ۳۵
۲۱ — چکلے ، ۳۸
۲۲ — تاج محل ، ۴۲
۲۳ — کبھی کبھی ، ۴۵
۲۴ — اسی دوراہے پر ، ۴۸
۲۵ — جاگیر ، ۵۰
۲۶ — فن کار ، ۵۳
۲۷ — فرار ، ۵۵
۲۸ — ہراس ، ۵۷
۲۹ — ایک تصویر رنگ ، ۵۹
۳۰ — میں نہیں تو کیا ، ۶۲
۳۱ — نورجہاں کے مزار پر ، ۶۴
۳۲ — مادام ، ۶۶
۳۳ — مضمحل خراب ، ۶۸
۳۴ — میرے ہمدم سے حسینو ، ۷۰

گیت

۳۵ ـ اشکوں میں جو پایا ہے، وہ گیتوں میں دیا ہے ، ۷۵
۳۶ ـ تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے ، ۷۶
۳۷ ـ جیون کے سفر میں راہی ملتے ہیں بچھڑ جانے کو ، ۷۷
۳۸ ـ یہ بہاروں کا سماں ، ۷۸
۳۹ ـ انھیں کھو کر دکھے دل کی دعا سے اور کیا مانگوں ، ۷۹
۴۰ ـ جائیں تو جائیں کہاں ، ۸۰
۴۱ ـ نظر سے دل میں سمانے والے، مری محبت ترے لیے ہے ، ۸۱
۴۲ ـ میں نے چاند اور ستاروں کی تمنا کی تھی ، ۸۲
۴۳ ـ اب وہ کرم کریں کہ ستم میں نشے میں ہوں ، ۸۳
۴۴ ـ جسے تو قبول کرلے وہ ادا کہاں سے لاؤں ، ۸۴
۴۵ ـ یہ محلوں یہ تختوں پہ تاجوں کی دنیا ، ۸۵
۴۶ ـ عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اسے بازار دیا ، ۸۷
۴۷ ـ کون آیا کہ نگاہوں میں چمک جاگ اٹھی ، ۸۹
۴۸ ـ میں نے شاید تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے ، ۹۰
۴۹ ـ زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات ، ۹۲
۵۰ ـ اپنا دل پیش کروں، اپنی وفا پیش کروں ، ۹۴
۵۱ ـ بھول سکتا ہے بھلا کون یہ پیاری آنکھیں ، ۹۵
۵۲ ـ آج کی رات مرادوں کی برات آئی ہے ، ۹۶
۵۳ ـ جو بات تجھ میں ہے، تری تصویر میں نہیں ، ۹۷

۵۴ — یہ وادیاں یہ فضائیں بلا رہی ہیں تمہیں ، ۹۸
۵۵ — مجھے گلے سے لگا لو بہت اُداس ہوں میں ، ۹۹
۵۶ — جرمِ الفت پہ ہمیں لوگ سزا دیتے ہیں ، ۱۰۰
۵۷ — نغمہ و شعر کی سوغات کسے پیش کروں ، ۱۰۱
۵۸ — تم چلی جاؤ گی پرچھائیاں رہ جائیں گی ، ۱۰۳
۵۹ — یہ زلف اگر کھل کے بکھر جائے تو اچھا ، ۱۰۴
۶۰ — محفل سے اُٹھ جانے والو تم لوگوں پر کیا الزام ، ۱۰۵
۶۱ — رات بھی ہے کچھ بھیگی بھیگی ، ۱۰۷
۶۲ — سب میں شامل ہو مگر سب سے جدا لگتی ہو ، ۱۰۹
۶۳ — تم اگر مجھ کو نہ چاہو تو کوئی بات نہیں ، ۱۱۰
۶۴ — پربتوں کے پیڑوں پر شام کا بسیرا ہے ، ۱۱۲

غزلیں

○

تنگ آ چکے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم
مایوسئ مآلِ محبت نہ پوچھیے!
اپنوں سے پیش آئے ہیں بیگانگی سے ہم
لو آج ہم نے توڑ دیا رشتۂ اُمید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم
اُبھریں گے ایک بار ابھی دل کے ولولے
گو دب گئے ہیں بارِ غمِ زندگی سے ہم
گر زندگی میں مل گئے پھر اتفاق سے
پوچھیں گے اپنا حال تری بے بسی سے ہم
اللہ رے فریبِ مشیت کہ آج تک
دنیا کے ظلم سہتے رہے خامشی سے ہم

سزا کا حال سنائیں جزا کی بات کریں
خدا ملا ہو جنھیں وہ خدا کی بات کریں

انھیں پتہ بھی چلے اور وہ خفا بھی نہ ہوں
اس احتیاط سے کیا مدّعا کی بات کریں

ہمارے عہد کی تہذیب میں قبا ہی نہیں
اگر قبا ہو تو بندِ قبا کی بات کریں

ہر ایک دور کا مذہب نیا خدا لایا
کریں تو ہم بھی مگر کس خدا کی بات کریں

وفا شعار کئی ہیں، کوئی حسیں بھی تو ہو
چلو پھر آج اسی بے وفا کی بات کریں

○

توڑ لیں گے ہر اک شے سے رشتہ توڑ دینے کی نوبت تو آئے
ہم قیامت کے خود منتظر ہیں، پر کسی دن قیامت تو آئے

ہم بھی سقراط ہیں عہدِ نو کے، تشنہ لب ہی نہ مر جائیں یارو
زہر ہو یا مئے آتشیں ہو، کوئی جامِ شہادت تو آئے

ایک تہذیب ہے دوستی کی، ایک معیار ہے دشمنی کا
دوستوں نے مروّت نہ سیکھی، دشمنوں کو عداوت تو آئے

رند رستے میں آنکھیں بچھائیں، جو کہے بِن سنے مان جائیں
ناصحِ نیک طینت کسی شب سوئے کوئے ملامت تو آئے

علم و تہذیب، تاریخ و منطق، لوگ سوچیں گے ان مسئلوں پر
زندگی کے مشقت کدے میں کوئی عہدِ فراغت تو آئے

کانپ اٹھیں قصرِ شاہی کے گنبد، تھرتھرائے زمیں معبدوں کی
کوچہ گردوں کی وحشت تو جاگے، غمزدوں کو بغاوت تو آئے

یہ زمیں جس قدر سجائی گئی
زندگی کی تڑپ بڑھائی گئی

آئینے سے بگڑ کے بیٹھ گئے
جن کی صورت جنہیں دکھائی گئی

دشمنوں ہی سے بیر نبھ جائے
دوستوں سے تو آشنائی گئی

نسل در نسل انتظار رہا
قصر ٹوٹے نہ بے نوائی گئی

زندگی کا نصیب کیا کہیے
ایک سیتا تھی جو ستائی گئی

ہم نہ اوتار تھے نہ پیغمبر
کیوں یہ عظمت ہمیں دلائی گئی

موت پائی صلیب پر ہم نے
عمر بن باس میں بتائی گئی

— —

○

نغمہ جو ہے تو روح میں ہے نے میں کچھ نہیں
گر تجھ میں کچھ نہیں تو کسی شے میں کچھ نہیں

تیرے لہو کی آنچ سے گرمی ہے جسم کی
مے کے ہزار وصف سہی مے میں کچھ نہیں

جس میں خلوصِ فکر نہ ہو وہ سخن فضول
جس میں نہ دل شریک ہو اس لے میں کچھ نہیں

کشکولِ فن اٹھا کے سوئے خسرواں نہ جا
اب دستِ اختیارِ جم و کے میں کچھ نہیں

○

صدیوں سے انسان یہ سنتا آیا ہے
دکھ کی دھوپ کے آگے سکھ کا سایا ہے

ہم کو ان سستی خوشیوں کا لوبھ نہ دو
ہم نے سوچ سمجھ کر غم اپنایا ہے

جھوٹ تو قاتل ٹھہرا اس کا کیا رونا
سچ نے بھی انساں کا خوں بہایا ہے

پیدائش کے دن سے موت کی زد میں ہیں
اس مقتل میں کون ہمیں لے آیا ہے

اوّل اوّل جس دل نے برباد کیا
آخر آخر وہ دل ہی کام آیا ہے

اتنے دن احسان کیا دیوانوں پر
جتنے دن لوگوں نے ساتھ نبھایا ہے

○

میں زندہ ہوں یہ مشتہر کیجیے
مرے قاتلوں کو خبر کیجیے

زمیں سخت ہے آسماں دور ہے
بسر ہو سکے تو بسر کیجیے

ستم کے بہت سے ہیں ردّ عمل
ضروری نہیں چشم تر کیجیے

وہی ظلم بارِ دگر ہے تو پھر
وہی جرم بارِ دگر کیجیے

قفس توڑنا بعد کی بات ہے
ابھی خواہشِ بال و پر کیجیے

اہلِ دل اور بھی ہیں اہلِ وفا اور بھی ہیں
ایک ہم ہی نہیں دنیا سے خفا اور بھی ہیں

ہم پہ ہی ختم نہیں مسلکِ شوریدہ سری
چاکِ دل اور بھی ہیں چاک قبا اور بھی ہیں

کیا ہوا گر مرے یاروں کی زبانیں چپ ہیں
میرے شاہد مرے یاروں کے سوا اور بھی ہیں

سر سلامت ہے تو کیا سنگِ ملامت کی کمی
جان باقی ہے تو پیکانِ قضا اور بھی ہیں

منصفِ شہر کی وحدت پہ نہ حرف آ جائے
لوگ کہتے ہیں کہ اربابِ جفا اور بھی ہیں

○

بہت گھٹن ہے کوئی صورتِ بیاں نکلے
اگر صدا نہ اُٹھے کم سے کم فغاں نکلے

فقیرِ شہر کے تن پر لباس باقی ہے
امیرِ شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے

حقیقتیں ہیں سلامت تو خواب بہتیرے
ملال یہ ہے کہ کچھ خواب رائیگاں نکلے

اِدھر بھی خاک اڑی ہے اُدھر بھی خاک اُڑی
جہاں جہاں سے بہاروں کے کارواں نکلے

○

ہر قدم مرحلۂ دار و صلیب آج بھی ہے
جو کبھی تھا وہی انساں کا نصیب آج بھی ہے

جگمگاتے ہیں افق پر تو ستارے لیکن
راستہ منزلِ ہستی کا مہیب آج بھی ہے

سرِ مقتل جنھیں جانا تھا وہ جا بھی پہنچے
سرِ مقتل کوئی محتاط خطیب آج بھی ہے

اہلِ دانش نے جسے امرِ مسلّم جانا
اہلِ دل کے لیے وہ بات عجیب آج بھی ہے

یہ تری یاد ہے یا میری اذیّت کوشی!
ایک نشتر سا رگِ جاں کے قریب آج بھی ہے

کون جانے یہ ترا شاعرِ آشفتہ مزاج
کتنے مغرور خداؤں کا رقیب آج بھی ہے

○

بھڑکا رہے ہیں آگ لبِ نغمہ گر سے ھم
خاموش کیا رہیں گے زمانے کے ڈر سے ہم

کچھ اور بڑھ گئے جو اندھیرے تو کیا ہُوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

لے دے کے اپنے پاس فقط اک نظر تو ہے
کیوں دیکھیں زندگی کو کسی کی نظر سے ہم

مانا کہ اس زمیں کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

○

نفس کے لوچ میں رم ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے
حیات، ساغرِ سم ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے
تری نگاہ مرے غم کی پاسدار سہی
مری نگاہ میں غم ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے
مری ندیم محبّت کی رفعتوں سے نہ گر
بلند بامِ حرم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے
یہ اجتناب ہے عکسِ شعورِ محبوبی
یہ احتیاطِ ستم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے
ادھر بھی ایک اچٹتی نظر کہ دنیا میں
فروغِ محفلِ جم ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے
نئے جہان بسائے ہیں فکرِ آدم نے
اب اس زمیں پہ ارم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

○

ہوس نصیب نظر کو کہیں قرار نہیں
میں منتظر ہوں مگر تیرا انتظار نہیں

ہمیں سے رنگِ گلستاں ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پہ اختیار نہیں

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب
ابھی حیات کا ماحول خوشگوار نہیں

تمہارے عہدِ وفا کو میں عہد کیا سمجھوں
مجھے خود اپنی محبت پہ اعتبار نہیں

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم
وہ ایک دل جو کسی کا گلہ گزار نہیں

گریز کا نہیں قائل حیات سے لیکن
جو سچ کہوں تو مجھے موت ناگوار نہیں

یہ کس مقام پہ پہنچا دیا زمانے نے
کہ اب حیات پہ تیرا بھی اختیار نہیں

○

خود داریوں کے خون کو ارزاں نہ کر سکے
ہم اپنے جوہروں کو نمایاں نہ کر سکے
ہو کر خراب مے ترے غم تو بھلا دیئے
لیکن غمِ حیات کا درماں نہ کر سکے
ٹوٹا طلسمِ عہدِ محبّت کچھ اس طرح
پھر آرزو کی شمع فروزاں نہ کر سکے
ہر شے قریب آکے کشش اپنی کھو گئی
وہ بھی علاجِ شوقِ گریزاں نہ کر سکے
کس درجہ دل شکن تھے محبّت کے حادثے
ہم زندگی میں پھر کوئی ارماں نہ کر سکے
مایوسیوں نے چھین لیے دل کے ولولے
وہ بھی نشاطِ روح کا ساماں نہ کر سکے

○

دیکھا تو تھا یونہی کسی غفلت شعار نے
دیوانہ کر دیا دلِ بے اختیار نے

اے آرزو کے دھندلے خرابو۔ جواب دو!
پھر کس کی یاد آئی تھی مجھ کو پکار نے

تجھ کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح کو
برباد کر دیا ترے دو دن کے پیار نے

میں اور تم سے ترکِ محبت کی آرزو
دیوانہ کر دیا ہے غمِ روزگار نے

اب اے دلِ تباہ ترا کیا خیال ہے
ہم تو چلے تھے کاکلِ گیتی سنوار نے

SPZ عسری جان

⊙

جب کبھی ان کی توجہ میں کمی پائی گئی
از سرِ نو داستانِ شوق دہرائی گئی

بک گئے جب تیرے لب پھر تجھ کو کیا شکوہ اگر
زندگانی بادہ و ساغر سے بہلائی گئی

اے غمِ دنیا تجھے کیا علم تیرے واسطے
کن بہانوں سے طبیعت راہ پر لائی گئی

ہم کریں ترکِ وفا، اچھا چلو یونہی سہی
اور اگر ترکِ وفا سے بھی نہ رسوائی گئی

کیسے کیسے چشم و عارض گردِ غم سے بجھ گئے
کیسے کیسے پیکروں کی شانِ زیبائی گئی

دل کی دھڑکن میں توازن آچلا ہے خیر ہو
میری نظریں بجھ گئیں یا تیری رعنائی گئی

ان کا غم ان کا تصوّر ان کے شکوے اب کہاں
اب تو یہ باتیں بھی اے دل ہوگئیں آئی گئی

جرأتِ انساں پہ گو تادیب کے پہرے رہے
فطرتِ انساں کو کب زنجیر پہنائی گئی

محبّت ترک کی میں نے، گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنّا کے سہارے جی لیا میں نے

انھیں اپنا نہیں سکتا مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدّت حسیں خوابوں میں کھو کر جی لیا میں نے

بس اب تو دامنِ دل چھوڑ دو بے کار امّیدو!
بہت دکھ سہہ لیا میں نے، بہت دن جی لیا میں نے

نظمیں

شہکار

مصوّر! میں ترا شہکار واپس کرنے آیا ہوں

اب ان رنگین رخساروں میں تھوڑی زردیاں بھر دے
حجاب آلود نظروں میں ذرا بے باکیاں بھر دے
لبوں کی بھیگی بھیگی سلوٹوں کو مضمحل کر دے
نمایاں رنگِ پیشانی پہ عکسِ سوزِ دل کر دے
تبسّم آفریں چہرے میں کچھ سنجیدہ پن بھر دے
جواں سینے کی مخروطی اُٹھانیں سرنگوں کر دے
گھنے بالوں کو کم کر دے مگر رخشندگی دے دے
نظر سے تمکنت لے کر مذاقِ عاجزی دے دے
مگر ہاں بنچ کے بدلے اسے صوفے پہ بٹھلا دے
یہاں میری بجائے اک چمکتی کار دکھلا دے

سوچتا ہوں

سوچتا ہوں کہ محبّت سے کنارا کر لوں
دل کو بیگانۂ ترغیب و تمنّا کر لوں

سوچتا ہوں کہ محبّت ہے جنونِ رسوا
چند بے کار سے بے ہودہ خیالوں کا ہجوم
ایک آزاد کو پابند بنانے کی ہوس
ایک بیگانے کو اپنانے کی سعیٔ موہوم

سوچتا ہوں کہ محبّت ہے سرور و مستی
اس کی تنویر سے روشن ہے فضائے ہستی

سوچتا ہوں کہ محبت ہے بشر کی فطرت،
اس کا مٹ جانا مٹا دینا بہت مشکل ہے
سوچتا ہوں کہ محبت سے ہے تابندہ حیات
اور یہ شمع بجھا دینا بہت مشکل ہے
سوچتا ہوں کہ محبت پہ کڑی شرطیں ہیں
اِس تمدن میں مسرت پہ کڑی شرطیں ہیں

سوچتا ہوں کہ محبت ہے ایک افسردہ سی لاش
چادرِ عزت و ناموس میں کفنائی ہوئی
دورِ سرمایہ کی روندی ہوئی رسوا ہستی
درگہِ مذہب و اخلاق سے ٹھکرائی ہوئی
سوچتا ہوں کہ بشر اور محبت کا جنوں
ایسے بوسیدہ تمدن میں ہے اِک کارِ زبوں

سوچتا ہوں کہ محبّت نہ بچے گی زندہ
پیش ازاں وقت کہ سڑ جائے یہ گلتی ہوئی لاش
یہی بہتر ہے کہ بیگانۂ اُلفت ہو کر
اپنے سینے میں کروں جذبۂ نفرت کی تلاش

سوچتا ہوں کہ محبّت سے کنارا کر لوں
دل کو بیگانۂ ترغیب و تمنّا کر لوں

—

مجھے سوچنے دے

میری ناکام محبّت کی کہانی مت چھیڑ
اپنی مایوس امنگوں کا فسانہ نہ سُنا

زندگی تلخ سہی، زہر سہی، سم ہی سہی
درد و آزار سہی، جبر سہی، غم ہی سہی
لیکن اس درد و غم و جبر کی وسعت کو تو دیکھ
ظلم کی چھاؤں میں دم توڑتی خلقت کو تو دیکھ

اپنی مایوس امنگوں کا فسانہ نہ سُنا
میری ناکام محبّت کی کہانی مت چھیڑ

جلسہ گاہوں میں یہ دہشت زدہ سہمے انبوہ
راہ گزاروں پہ فلاکت زدہ لوگوں کے گروہ
بھوک اور پیاس سے پژمردہ سیہ فام زمیں
تیرہ و تار مکاں مفلس و بیمار مکیں
نوعِ انساں میں یہ سرمایہ و محنت کا تضاد
امن و تہذیب کے پرچم تلے قوموں کا فساد
ہر طرف آتش و آہن کا یہ سیلاب عظیم
نت نئے طرز پہ ہوتی ہوئی دنیا تقسیم
لہلہاتے ہوئے کھیتوں پہ جوانی کا سماں
اور دہقان کے چھپّر میں نہ بتّی نہ دھواں
یہ فلک بوس ملیں دلکش و سیمیں بازار
یہ غلاظت پہ جھپٹتے ہوئے بھوکے بازار
دور ساحل پہ وہ شفّاف مکانوں کی قطار
سرسراتے ہوئے پردوں میں سمٹتے گلزار

در و دیوار پہ انوار کا سیلاب رواں
جیسے ایک شاعرِ مدہوش کے خوابوں کا جہاں
یہ سبھی کیوں ہے یہ کیا ہے مجھے کچھ سوچنے دے
کون انساں کا خدا ہے مجھے کچھ سوچنے دے
اپنی مایوس امنگوں کا فسانہ نہ سُنا
میری ناکام محبّت کی کہانی مت چھیڑ

—

چکلے

یہ کوچے یہ نیلام گھر دلکشی کے
یہ لٹتے ہوئے کارواں زندگی کے
کہاں ہیں کہاں ہیں محافظ خودی کے
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہ پُر پیچ گلیاں یہ بے خواب بازار
یہ گمنام راہی یہ سِکّوں کی جھنکار
یہ عصمت کے سودے یہ سودوں پہ تکرار
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

تعفّن سے پُرنیم روشن یہ گلیاں
یہ مَسلی ہُوئی اَدھ کھلی زرد کلیاں
یہ بِکتی ہُوئی کھوکھلی رنگ رلیاں
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

وہ اُجلے دریچوں میں پائل کی چھَن چھَن
تنفّس کی الجھن پہ طبلے کی دَھن دَھن
یہ بے روح کمروں میں کھانسی کی ٹھَن ٹھَن
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہ گونجے ہُوئے قہقہے راستوں پر
یہ چاروں طرف بِھیڑ سی کھڑکیوں پر
یہ آوازے کھنچتے ہُوئے آنچلوں پر
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہ پھولوں کے گجرے یہ پیکوں کے چھینٹے
یہ بے باک نظریں یہ گستاخ فقرے
یہ ڈھلکے بدن اور یہ مدقوق چہرے
ثناخوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہ بھوکی نگاہیں حسینوں کی جانب
یہ بڑھتے ہوئے ہاتھ سینوں کی جانب
لپکتے ہوئے پاؤں زینوں کی جانب
ثناخوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہاں پیر بھی آ چکے ہیں جواں بھی
تنومند بیٹے بھی، ابّا میاں بھی
یہ بیوی بھی ہے اور بہن بھی ہے ماں بھی
ثناخوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

مدد چاہتی ہے یہ حوّا کی بیٹی
یشودھا کی ہم جنس رادھا کی بیٹی
پیمبر کی اُمت، زلیخا کی بیٹی
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

ذرا ملک کے رہبروں کو بلاؤ
یہ گلیاں، یہ کوچے، یہ منظر دکھاؤ
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کو لاؤ
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

تاج محل

تاج تیرے لیے ایک مظہرِ الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیٔ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

بزمِ شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری روحوں کا سفر کیا معنی
میری محبوب پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا

مردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا
ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبّت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے اُن کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی طرح مفلس تھے
یہ عمارات و مقابر یہ فصیلیں یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
سینۂ دہر کے ناسور ہیں کہنہ ناسور
جذب ہے ان میں ترے اور مرے اجداد کا خوں

میری محبوب! انھیں بھی تو محبّت ہوگی!
جن کی صنّاعی نے بخشی ہے اسے شکلِ جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود

آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل
یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ، یہ محل
یہ منقّش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبّت کا اُڑایا ہے مذاق
میری محبوب! کہیں اور ملا کر مجھ سے!

کبھی کبھی

کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی
یہ تیرگی جو مری زیست کا مقدّر ہے
تری نظر کی شعاعوں میں کھو بھی سکتی تھی

عجب نہ تھا کہ میں بے گانۂ الم ہو کر
ترے جمال کی رعنائیوں میں کھو رہتا
ترا گداز بدن، تیری نیم باز آنکھیں
انہی حسین فسانوں میں محو ہو رہتا

پکاریں مجھے جب تلخیاں زمانے کی
ترے لبوں سے حلاوت کے گھونٹ پی لیتا
حیات چیختی پھرتی برہنہ سر اور میں
گھنیری زلفوں کے سایہ میں چھپ کے جی لیتا

مگر یہ ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے
کہ تو نہیں ترا غم، تری جستجو بھی نہیں
گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں

زمانے بھر کے دُکھوں کو لگا چکا ہوں گلے
گزر رہا ہوں کچھ انجانی راہ گزاروں سے
مہیب سائے مری سمت بڑھتے آتے ہیں
حیات و موت کے پُرہول خارزاروں سے

نہ کوئی جادۂ منزل نہ روشنی کا سراغ
بھٹک رہی ہے خلاؤں میں زندگی میری
انہی خلاؤں میں رہ جاؤں گا کبھی کھو کر
میں جانتا ہوں مری ہم نفس مگر یونہی
کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے

اسی دوراہے پر

اب نہ ان اونچے مکانوں میں قدم رکھوں گا
میں نے اک بار یہ پہلے بھی قسم کھائی تھی
اپنی نادار محبت کی شکستوں کے طفیل
زندگی پہلے بھی شرمائی تھی جھنجھلائی تھی

اور یہ عہد کیا تھا کہ بہ ایں حالِ تباہ
اب کبھی پیار بھرے گیت نہیں گاؤں گا
کسی چلمن نے پکارا بھی تو بڑھ جاؤں گا
کوئی دروازہ کھلا بھی تو پلٹ آؤں گا

پھر ترے کانپتے ہونٹوں کی فسوں کار ہنسی
جال بُننے لگی، بُنتی رہی، بُنتی ہی رہی
میں کھنچا تجھ سے، مگر تو مری راہوں کے لیے
پھول چنتی رہی، چنتی رہی، چنتی ہی رہی

برف برسائی مرے ذہن و تصوّر نے مگر
دل میں ایک شعلۂ بے نام سا لہرا ہی گیا
تیری چپ چاپ نگاہوں کو سُلگتے پاکر
میری بیزار طبیعت کو بھی پیار آ ہی گیا

اپنی بدلی ہُوئی نظروں کے تقاضے نہ چھُپا
میں اس انداز کا مفہوم سمجھ سکتا ہوں
تیرے زرکار دریچوں کی بلندی کی قسم
اپنے اقدام کا مقسوم سمجھ سکتا ہوں

اب نہ اِن اونچے مکانوں میں قدم رکھوں گا
میں نے اک بار یہ پہلے بھی قسم کھائی تھی
اسی سرمایہ و افلاس کے دوراہے پر
زندگی پہلے بھی شرمائی تھی جھنجھلائی تھی

جاگیر

پھر اُسی وادیٔ شاداب میں لوٹ آیا ہوں
جس میں پنہاں مرے خوابوں کی طرب گاہیں ہیں
مرے احباب کے سامانِ تعیّش کے لیے
شوخ سینے ہیں، جواں جسم حسیں بانہیں ہیں
سبز کھیتوں میں یہ دبکی ہُوئی دوشیزائیں
ان کی شریانوں میں کس کس کا لہو جاری ہے
کس میں جرأت ہے کہ اس راز کی تشہیر کرے
سب کے لب پر مری ہیبت کا فسوں طاری ہے

ہائے وہ گرم و دل آویز ابلتے سینے
جن سے ہم سطوتِ آبا کا صلہ لیتے ہیں
جانے ان مرمریں جسموں کو یہ مریل دہقاں
کیسے ان تیرہ گھروندوں میں جنم دیتے ہیں

یہ لہکتے ہوئے پودے یہ دمکتے ہوئے کھیت
پہلے اجداد کی جاگیر تھے اب میرے ہیں
یہ چراگاہ، یہ ریوڑ، یہ مویشی، یہ کسان
سب کے سب میرے ہیں، سب میرے ہیں، سب میرے ہیں

ان کی محنت بھی مری، حاصلِ محنت بھی مرا
ان کے بازو بھی مرے قوتِ بازو بھی مری
میں خداوند ہوں اس وسعتِ بے پایاں کا
موجِ عارض بھی مری نکہتِ گیسو بھی مری

میں ان اجداد کا بیٹا ہوں جنھوں نے پیہم !
اجنبی قوم کے سائے کی حمایت کی ہے
غدر کی ساعتِ ناپاک سے لے کر اب تک
ہر کڑے وقت میں سرکار کی خدمت کی ہے

خاک پر رینگنے والے یہ فسردہ ڈھانچے
ان کی نظریں کبھی تلوار بنی ہیں نہ بنیں
ان کی غیرت پہ ہر اک ہاتھ جھپٹ سکتا ہے
ان کے ابرو کی کمانیں نہ تنی ہیں نہ تنیں !

ہائے یہ شام، یہ جھرنے، یہ شفق کی لالی
میں ان آسودہ فضاؤں میں ذرا جھوم نہ لوں
وہ دبے پاؤں ادھر کون چلی جاتی ہے
بڑھ کے اس شوخ کے ترشے ہوئے لب چوم نہ لوں

فن کار

میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے
آج ان گیتوں کو بازار میں لے آیا ہوں

آج دکان پہ نیلام اُٹھے گا اُن کا
تو نے جن گیتوں پہ رکھی تھی محبت کی اساس
آج چاندی کے ترازو میں تُلے گی ہر چیز
میرے افکار، مری شاعری، میرا احساس

جو تری ذات سے منسوب تھے ان گیتوں کو
مفلسی جنس بنانے پہ اُتر آئی ہے
بھوک تیرے رخِ رنگیں کے فسانوں کے عوض
چند اشیائے ضرورت کی تمنائی ہے

دیکھ اس عرصہ گہہِ محنت و سرمایہ میں
میرے نغمے بھی مرے پاس نہیں رہ سکتے
تیرے جلوے کسی زردار کی میراث سہی
تیرے خاکے بھی مرے پاس نہیں رہ سکتے

آج ان گیتوں کو بازار میں لے آیا ہوں
میں نے جو گیت ترے پیار کی خاطر لکھے

فرار

اپنے ماضی کے تصوّر سے ہراساں ہوں میں
اپنے گزرے ہُوئے ایّام سے نفرت ہے مجھے
اپنی بے کار تمنّاؤں پہ شرمندہ ہوں
اپنی بے سود امیدوں پہ ندامت ہے مجھے

میرے ماضی کو اندھیرے میں دبا رہنے دو
میرا ماضی مری ذلّت کے سوا کچھ بھی نہیں
میری امیدوں کا حاصل مری کاوش کا صلہ
ایک بے نام اذیّت کے سوا کچھ بھی نہیں

کتنی بے کار امیدوں کا سہارا لے کر
میں نے ایوان سجائے تھے کسی کی خاطر
کتنی بے ربط تمنّاؤں کے مبہم خاکے
اپنے خوابوں میں بسائے تھے کسی کی خاطر

مجھ سے اب میری محبّت کے فسانے نہ کہو
مجھ کو کہنے دو کہ میں نے انھیں چاہا ہی نہیں
اور وہ مست نگاہیں جو مجھے بھول گئیں
میں نے ان مست نگاہوں کو سراہا ہی نہیں

مجھ کو کہنے دو میں آج بھی جی سکتا ہوں
عشق ناکام سہی زندگی ناکام نہیں
ان کو اپنانے کی خواہش انھیں پانے کی طلب
شوقِ بے کار سہی، سعیٔ غم انجام نہیں

وہی گیسو، وہی نظریں، وہی عارض، وہی جسم
میں جو چاہوں تو مجھے اور بھی مل سکتے ہیں
وہ کنول جن کو کبھی ان کے لیے کھِلنا تھا
ان کی نظروں سے بہت دور بھی کھِل سکتے ہیں

ہراس

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی وہ ہلکی سی لکیر
میرے تخئیل میں رہ رہ کے جھلک اٹھتی ہے
یوں اچانک ترے عارض کا خیال آتا ہے
جیسے ظلمت میں کوئی شمع بھڑک اٹھتی ہے

تیرے پیراہنِ رنگیں کی جنوں خیز مہک
خواب بن بن کے مرے ذہن میں لہراتی ہے
رات کی سرد خموشی میں ہر اک جھونکے سے
تیرے انفاس، ترے جسم کی آنچ آتی ہے

میں سلگتے ہوئے رازوں کو عیاں تو کر دوں
لیکن ان رازوں کی تشہیر سے جی ڈرتا ہے
رات کے خواب اُجالے میں بیاں تو کر دوں
ان حسیں خوابوں کی تعبیر سے جی ڈرتا ہے

تیری سانسوں کی تھکن، تیری نگاہوں کا سکوت
درحقیقت کوئی رنگین شرارت ہی نہ ہو
میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسّم وہ تکلّم تری عادت ہی نہ ہو

سوچتا ہوں کہ تجھے مل کے میں جس سوچ میں ہوں
پہلے اس سوچ کا مقسوم سمجھ لوں تو کہوں
میں ترے شہر میں انجان ہوں پردیسی ہوں
تیرے الطاف کا مفہوم سمجھ لوں تو کہوں

کہیں ایسا نہ ہو پاؤں مرے تھرّا جائیں
اور تری مرمریں باہوں کا سہارا نہ ملے
اشک بہتے رہیں خاموش سیہ راتوں میں
اور ترے ریشمی آنچل کا کنارا نہ ملے!

ایک تصویرِ رنگ

میں نے جس وقت تجھے پہلے پہل دیکھا تھا
نوجوانی کا کوئی خواب نظر آئی تھی
حسن کا نغمۂ جاوید ہوئی تھی معلوم
عشق کا جذبۂ بے تاب نظر آئی تھی

اے طرب زارِ جوانی کی پریشاں تتلی
تو بھی اک بوئے گرفتار ہے معلوم نہ تھا
تیرے جلووں میں بہاریں نظر آتی تھیں مجھے
تو ستم خوردۂ ادبار ہے معلوم نہ تھا

تیرے نازک سے پروں پر یہ زر و سیم کا بوجھ
تیری پرواز کو آزاد نہ ہونے دے گا
تو نے راحت کی تمنا میں جو غم پالا ہے
وہ تری روح کو آباد نہ ہونے دے گا

تُو نے سرمائے کی چھاؤں میں پنپنے کے لیے
اپنے دل، اپنی محبت کا لہو بیچا ہے
دن کی تزئینِ فسردہ کا اثاثہ لے کر
شوخ راتوں کی مسرت کا لہو بیچا ہے

زخم خوردہ ہیں تخیّل کی اڑانیں تیری
تیرے گیتوں میں تری روح کے غم پلتے ہیں
سرمگیں آنکھوں میں یوں حسرتیں لَو دیتی ہیں
جیسے ویران مزاروں پہ دیے جلتے ہیں

اس سے کیا فائدہ؟ رنگیں لبادوں کے تلے
روح جلتی رہے، گھلتی رہے، پژمردہ رہے
ہونٹ ہنستے ہوں دکھاوے کے تبسّم کے لیے
دل غمِ زیست سے بوجھل رہے آزردہ رہے

دل کی تسکین بھی ہے آسائشِ ہستی کی دلیل
زندگی صرف زر و سیم کا پیمانہ نہیں
زیست احساس بھی ہے، شوق بھی ہے، درد بھی ہے
صرف انفاس کی ترتیب کا افسانہ نہیں

عمر بھر رینگتے رہنے سے کہیں بہتر ہے
ایک لمحہ جو تری روح میں وسعت بھر دے
ایک لمحہ جو ترے گیت کو شوخی دے دے
ایک لمحہ جو تری لَے میں مسرّت بھر دے

———

مَیں نہیں تو کیا

مرے لیے یہ تکلّف، یہ دُکھ، یہ حسرت کیوں
مری نگاہِ طلب آئینہ نگاہ نہ تھی
حیاتِ زارِ جہاں کی طویل راہوں میں
ہزار دیدۂ حیراں فسوں بکھیریں گے
ہزار چشمِ تمنّا بنے گی دستِ سوال
نکل کے خلوتِ غم سے نظر اُٹھاؤ تو
وہی شفق ہے، وہی ضو ہے، میں نہیں تو کیا
مرے بغیر بھی تم کامیاب عشرت تھیں
مرے بغیر بھی آباد تھے نشاط کدے
مرے بغیر بھی دیکھا ہے عشرتوں کا نزول
مرے بغیر بھی تم نے دیے جلائے ہیں

مرے نہ ہونے سے امید کا زیاں کیوں ہو
بڑھی چلو مئے عشرت کے جام چھلکاتی
تمھاری سیج، تمھارے بدن کے پھولوں پر
اسی بہار کا پرتو ہے، میں نہیں تو کیا؟

مرے لیے یہ اُداسی، یہ سوگ کیوں آخر
ملیح چہرے پہ گردِ فسردگی کیسی
بہارِ غازہ سے عارض کو تازگی بخشو!
علیل آنکھوں میں کاجل لگاؤ رنگ بھرو
سیاہ جوڑے میں کلیوں کی کہکشاں گوندھو
ہزار ہا پلتے سینے ہزار کانپتے لب
تمھاری چشمِ توجہ کے منتظر ہیں ابھی
جلو میں نغمہ و رنگ و بہار و نور لیے
حیات گرمِ تگ و دو ہے، میں نہیں تو کیا؟

—

نورجہاں کے مزار پر

پہلوئے شاہ میں یہ دخترِ جمہور کی قبر
کتنے گم گشتہ فسانوں کا پتہ دیتی ہے
کتنے خونریز حقائق سے اٹھاتی ہے نقاب
کتنی کچلی ہوئی جانوں کا پتہ دیتی ہے

کیسے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لیے
سالہا سال حسیناؤں کے بازار لگے
کیسے بہکی ہوئی نظروں کے تعیّش کے لیے
سرخ محلوں میں جواں جسموں کے انبار لگے

کیسے ہر شاخ سے منہ بند مہکتی کلیاں
نوچ لی جاتی تھیں تزئینِ حرم کی خاطر
اور مرجھا کے بھی آزاد نہ ہو سکتی تھیں
"ظلِ سبحان" کی الفت کے بھرم کی خاطر

کیسے اک فرد کے ہونٹوں کی ذرا سی جنبش
سرد کر سکتی تھی بے لوث وفاؤں کے چراغ
لوٹ سکتی تھی دمکتے ہوئے ہاتھوں کا سہاگ
توڑ سکتی تھی مئے عشق سے لبریز ایاغ

سہمی سہمی سی فضاؤں میں یہ ویراں مرقد
اتنا خاموش ہے فریاد کناں ہو جیسے
سرد شاخوں میں ہوا چیخ رہی ہے ایسے
روحِ تقدیس و وفا مرثیہ خواں ہو جیسے

تو مری جان! مجھے حیرت و حسرت سے نہ دیکھ
ہم میں کوئی بھی جہاں نور و جہانگیر نہیں
تو مجھے چھوڑ کے ٹھکرا کے بھی جا سکتی ہے
تیرے ہاتھوں میں مرے ہاتھ ہیں زنجیر نہیں!

مادام

آپ بے وجہ پریشان سی کیوں ہیں مادام
لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے
میرے احباب نے تہذیب نہ سیکھی ہوگی
میرے ماحول میں انسان نہ رہتے ہوں گے

نورِ سرمایہ سے ہے رُوئے تمدّن کی جلا
ہم جہاں ہیں وہاں تہذیب نہیں پل سکتی
مفلسی حسِّ لطافت کو مٹا دیتی ہے
بھوک آداب کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتی

لوگ کہتے ہیں تو لوگوں پہ تعجب کیسا
سچ تو کہتے ہیں کہ ناداروں کی عزّت کیسی
لوگ کہتے ہیں، مگر آپ ابھی تک چُپ ہیں
آپ بھی کہیے، غریبوں میں شرافت کیسی

نیک مادام! بہت جلد وہ دور آئے گا
جب ہمیں زیست کے ادوار پرکھنے ہوں گے
اپنی ذلّت کی قسم، آپ کی عظمت کی قسم
ہم کو تعظیم کے معیار پرکھنے ہوں گے

ہم نے ہر دَور میں تذلیل سہی ہے لیکن
ہم نے ہر دَور کے چہرے کو ضیا بخشی ہے
ہم نے ہر دَور میں محنت کے ستم جھیلے ہیں
ہم نے ہر دَور کے ہاتھوں کو حنا بخشی ہے

لیکن ان تلخ مباحث سے بھلا کیا حاصل
لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے
میرے احباب نے تہذیب نہ سیکھی ہوگی
میں جہاں ہوں وہاں انسان نہ رہتے ہوں گے

—

مضمحل خواب

میرے خوابوں کے جھروکوں کو سجانے والی تیرے خوابوں میں کہیں میرا گزر ہے کہ نہیں
پوچھ کر اپنی نگاہوں سے بتا دے مجھ کو میری راتوں کے مقدر میں سحر ہے کہ نہیں

چار دن کی یہ رفاقت جو رفاقت بھی نہیں عمر بھر کے لیے آزار ہوئی جاتی ہے
زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشان سی تھی اب تو ہر سانس گرانبار ہوئی جاتی ہے

میری اجڑی ہوئی نیندوں کے شبستانوں میں تو کسی خواب کے پیکر کی طرح آئی ہے
کبھی اپنی سی، کبھی غیر نظر آئی ہے کبھی اخلاص کی صورت، کبھی ہرجائی ہے

پیار پر بس تو نہیں ہے مرا لیکن پھر بھی تو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں
تو نے خود اپنے تبسم سے جگایا ہے جنھیں اُن تمناؤں کا اظہار کروں یا نہ کروں

تیرے ہاتھوں کی حرارت ترے سانسوں کی مہک سرسراتی ہے مرے ذہن کی پہنائی
ڈھونڈتی رہتی ہیں تخئیل کی بانہیں تجھ کو سرد راتوں کی سلگتی ہوئی تنہائی

تُو کسی اور کے دامن کی کلی ہے لیکن — میری راتیں تری خوشبو سے بسی رہتی ہیں
تُو کہیں بھی ہو، ترے پھول سے عارض کی قسم — تری پلکیں مری آنکھوں پہ جھکی رہتی ہیں

تیرا الطاف و کرم ایک حقیقت ہے مگر — یہ حقیقت بھی، حقیقت میں فسانہ ہی نہ ہو
میری مانوس نگاہوں کا یہ محتاط پیام — دل کے خوں کرنے کا ایک اور بہانہ ہی نہ ہو

کون جانے مرے امروز کا فردا کیا ہے — قربتیں بڑھ کے پشیمان بھی ہو جاتی ہیں
دل کے دامن سے لپٹتی ہوئی رنگیں نظریں — دیکھتے دیکھتے انجان بھی ہو جاتی ہیں

میری درماندہ جوانی کی تمناؤں کے
مضمحل خواب کی تعبیر بتا دے مجھ کو
ترے دامن میں گلستاں بھی ہیں، ویرانے بھی
میرا حاصل، مری تقدیر بتا دے مجھ کو

مرے عہد کے حسینو!

وہ ستارے جن کی خاطر کئی بے قرار صدیاں
مری تیرہ بخت دنیا میں ستارہ وار جاگیں
کبھی رفعتوں پہ لپکیں، کبھی وسعتوں سے الجھیں
کبھی سوگوار سوئیں، کبھی نغمہ بار جاگیں

وہ بلند بام تارے وہ فلک مقام تارے
وہ نشان دے کے اپنا رہے بے نشاں ہمیشہ
وہ حسین، وہ نورزادے، وہ خلا کے شاہزادے
جو ہماری قسمتوں پر رہے حکمراں ہمیشہ

جنھیں مضمحل دلوں نے ابدی پناہ جانا
تھکے ہارے قافلوں نے جنھیں خضرِ راہ جانا
جنھیں کم سنوں نے چاہا کہ لپک کے پیار کر لیں
جنھیں عاشقوں نے چاہا کہ فلک سے توڑ لائیں

کسی راہ میں بچھائیں، کسی سیج پر سجائیں
جنھیں بُت گروں نے چاہا کہ صنم بنا کے پُوجیں
یہ جو دُور کے حسیں ہیں انھیں پاس لا کے پُوجیں
جنھیں مطربوں نے چاہا کہ صداؤں میں پرولیں
جنھیں شاعروں نے چاہا کہ خیال میں سمولیں

جو ہزار کوششوں پر بھی شمار میں نہ آئے
کبھی خاکِ بے بضاعت کے دیار میں نہ آئے
جو ہمارے دسترس سے رہے دُور دُور اب تک
ہمیں دیکھتے رہے ہیں جو بصد غرور اب تک
مرے عہد کے حسینو! وہ نظر نواز تارے
مرا عشق حسن پرور تمھیں نذر دے رہا ہے
وہ جنوں جو آب و آتش کو اسیر کر چکا تھا
وہ خلا کی وسعتوں سے بھی خراج لے رہا ہے

مرے ساتھ رہنے والو! مرے بعد آنے والو
مرے دَور کا یہ تحفہ تمھیں سازگار آئے
کبھی تم خلا سے گزرو کسی سیم تن کی خاطر
کبھی تم کو دل میں رکھ کر کوئی گلعذار آئے

گیت

⊙

اشکوں میں جو پایا ہے، وہ گیتوں میں دیا ہے
اس پر بھی سنا ہے کہ زمانے کو گلا ہے

جو تار سے نکلی ہے، وہ دُھن سب نے سنی ہے
جو ساز پہ گزری ہے، وہ کس دل کو پتہ ہے

ہم پھول ہیں، اوروں کے لیے لائے ہیں خوشبو
اپنے لیے لے دے کے بس اک داغ ملا ہے

○

تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے
ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے

موت بھی آتی نہیں
آس بھی جاتی نہیں
دل کو یہ کیا ہو گیا
کوئی شے بھاتی نہیں

ایک جاں اور لاکھ غم
گھٹ کے رہ جائے نہ دم
آؤ تم کو دیکھ لیں
ڈوبتی نظروں سے ہم

تم نہ جانے کس جہاں میں کھو گئے
ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے

○

جیون کے سفر میں راہی، ملتے ہیں بچھڑ جانے کو
اور دے جاتے ہیں یادیں تنہائی میں تڑپانے کو

رو رو کے انہی راہوں میں کھونا پڑا اک اپنے کو
ہنس ہنس کے انہی راہوں میں اپنایا تھا بیگانے کو

اب ساتھ نہ گزریں گے ہم، لیکن یہ فضا وادی کی
دہراتی رہے گی برسوں بھولے ہوئے افسانے کو

تم اپنی نئی دنیا میں کھو جاؤ پرائے بن کر
جی پائے تو ہم جی لیں گے، مرنے کی سزا پانے کو

○

یہ بہاروں کا سماں، چاند تاروں کا سماں
کھو نہ جائے، آ بھی جا

آسماں سے رنگ بن کر بہہ رہی ہے چاندنی
بے زبانی کی زباں سے کہہ رہی ہے چاندنی
جا گئی رُت ناگہاں سو نہ جائے، آ بھی جا

رات کے ہمراہ ڈھلتی جا رہی ہے زندگی
شمع کی صورت پگھلتی جا رہی ہے زندگی
روشنی بجھ کر دھواں ہو نہ جائے آ بھی جا

آ ذرا ہنس کر نگاہوں میں نگاہیں ڈال دے
دیر کی ترسی ہوئی بانہوں میں باہیں ڈال دے
حسرتوں کا کارواں کھو نہ جائے، آ بھی جا

○

انھیں کھو کر دُکھے دل کی دعا سے اور کیا مانگوں
میں حیراں ہوں کہ آج اپنی وفا سے اور کیا مانگوں

گریباں چاک ہے آنکھوں میں آنسو لب پہ آہیں ہیں
یہی کافی ہے دنیا کی ہوا سے اور کیا مانگوں

مری بربادیوں کی داستاں ان تک پہنچ جائے
سوا اس کے محبّت کے خدا سے اور کیا مانگوں

○

جائیں تو جائیں کہاں

سمجھے گا کون یہاں، درد بھرے دل کی زباں
جائیں تو جائیں کہاں

مایوسیوں کا مجمع ہے جی میں
کیا رہ گیا ہے اس زندگی میں
روح میں غم، دل میں دھواں
جائیں تو جائیں کہاں

ان کا بھی غم ہے اپنا بھی غم ہے
اب دل کے بچنے کی امید کم ہے
ایک کشتی سو طوفاں
جائیں تو جائیں کہاں

○

نظر سے دل میں سمانے والے، مری محبت ترے لیے ہے
وفا کی دنیا میں آنے والے، وفا کی دولت ترے لیے ہے

کھڑی ہوں میں تیرے راستے میں، جواں امیدوں کے پھول لے کر
مہکتی زلفوں، بہکتی نظروں کی گرم جنت ترے لیے ہے

سوا تری آرزو کے اس دل میں کوئی بھی آرزو نہیں ہے
ہر ایک جذبہ ہر ایک دھڑکن ہر ایک حسرت ترے لیے ہے

مرے خیالوں کے نرم پردوں سے جھانک کر مسکرانے والے
ہزار خوابوں سے جو سجی ہے وہ اک حقیقت ترے لیے ہے

O

میں نے چاند اور ستاروں کی تمنّا کی تھی
مجھ کو راتوں کی سیاہی کے سوا کچھ نہ ملا

میں وہ نغمہ ہوں جسے پیار کی محفل نہ ملی
وہ مسافر ہوں جسے کوئی بھی منزل نہ ملی
زخم پائے ہیں بہاروں کی تمنّا کی تھی
میں نے چاند اور ستاروں کی تمنّا کی تھی

کسی گیسو کسی آنچل کا سہارا ہی نہیں
راستے میں کوئی دھندلا سا ستارا ہی نہیں
میری نظروں نے نظّاروں کی تمنّا کی تھی،
میں نے چاند اور ستاروں کی تمنّا کی تھی!

دل میں ناکام امیدوں کے بسیرے پائے
روشنی لینے کو نکلا تو اندھیرے پائے
رنگ اور نور کے دھاروں کی تمنّا کی تھی
میں نے چاند اور ستاروں کی تمنّا کی تھی

اب وہ کرم کریں کہ ستم، میں نشے میں ہوں
مجھ کو نہ کوئی ہوش نہ غم، میں نشے میں ہوں
سینے سے بوجھ ان کے غموں کا اُتار کے
آیا ہوں آج اپنی جوانی کو ہار کے
کہتے ہیں ڈگمگاتے قدم، میں نشے میں ہوں

وہ بے وفا ہیں اب بھی یہ دل مانتا نہیں
کم بخت ناسمجھ ہے انھیں جانتا نہیں
میں آج توڑ دوں گا بھرم، میں نشے میں ہوں

فرصت نہیں ہے رونے رُلانے کے واسطے
آئے نہ ان کی یاد ستانے کے واسطے
اس وقت دل کا درد ہے کم، میں نشے میں ہوں

○

جسے تو قبول کر لے، وہ ادا کہاں سے لاؤں
ترے دل کو جو لبھائے، وہ صدا کہاں سے لاؤں

میں وہ پھول ہوں کہ جس کو گیا ہے کوئی مسل کے
مری عمر بہہ گئی ہے مرے آنسوؤں میں ڈھل کے
جو بہار بن کے برسے وہ گھٹا کہاں سے لاؤں

تجھے اور کی تمنّا، مجھے تیری آرزو ہے
ترے دل میں غم ہی غم ہے، مرے دل میں تو ہی تو ہے
جو دلوں کو چین دے دے، وہ دوا کہاں سے لاؤں

مری بے بسی ہے ظاہر، مری آہِ بے اثر سے
کبھی موت بھی جو مانگی تو نہ پائی اس کے در سے
جو مراد لے کے آئے وہ دعا کہاں سے لاؤں

○

یہ محلوں یہ تختوں یہ تاجوں کی دنیا
یہ انساں کے دشمن سماجوں کی دنیا
یہ دولت کے بھوکے رواجوں کی دنیا
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے

ہر اک جسم گھائل ہر اک روح پیاسی
نگاہوں میں الجھن دلوں میں اُداسی
یہ دنیا ہے یا عالمِ بدحواسی
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے

یہاں اک کھلونا ہے انساں کی ہستی
یہ بستی ہے مردہ پرستوں کی بستی
یہاں پر تو جیون سے ہے موت سستی
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے

جوانی بھٹکتی ہے بدکار بن کر
جواں جسم سجتے ہیں بازار بن کر
یہاں پیار ہوتا ہے بیوپار بن کر
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے

جلا دو اسے پھونک ڈالو یہ دنیا
مرے سامنے سے ہٹا لو یہ دنیا
تمھاری ہے تم ہی سنبھالو یہ دنیا
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے

○

عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اُسے بازار دیا
جب جی چاہا مسلا کچلا، جب جی چاہا دھتکار دیا

تُلتی ہے کہیں دیناروں میں، بِکتی ہے کہیں بازاروں میں
ننگی نچوائی جاتی ہے عیاشوں کے درباروں میں
یہ وہ بے عزّت چیز ہے جو بٹ جاتی ہے عزّت داروں میں
عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اُسے بازار دیا

مردوں کے لیے ہر ظلم روا، عورت کے لیے رونا بھی خطا
مردوں کے لیے ہر عیش کا حق، عورت کے لیے جینا بھی سزا
مردوں کے لیے لاکھوں سیجیں، عورت کے لیے بس ایک چِتا
عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اُسے بازار دیا

جن سینوں نے ان کو دودھ دیا ان سینوں کا بیوپار کیا
جس کوکھ میں ان کا جسم ڈھلا اس کوکھ کا کاروبار کیا
جس تن سے اُگے کونپل بن کر اس تن کو ذلیل و خوار کیا

سنسار کی ہر اک بے شرمی غربت کی گود میں پلتی ہے،
چکلوں ہی میں آکر رکتی ہے' فاقوں سے جو راہ نکلتی ہے
مردوں کی ہوس ہے جو اکثر عورت کے پاپ میں ڈھلتی ہے
عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اُسے بازار دیا

عورت سنسار کی قسمت ہے پھر بھی تقدیر کی ہیٹی ہے
اوتار پیمبر جنتی ہے پھر بھی شیطان کی بیٹی ہے
یہ وہ بد قسمت ماں ہے جو بیٹوں کی سیج پہ لیٹی ہے
عورت نے جنم دیا مردوں کو، مردوں نے اُسے بازار دیا

○

کون آیا کہ نگاہوں میں چمک جاگ اُٹھی
دل کے سوئے ہُوئے تاروں میں کھنک جاگ اُٹھی

کس کے آنے کی خبر لے کے ہوائیں آئیں
جسم سے پھول چٹکنے کی صدائیں آئیں
روح کھِلنے لگی، سانسوں میں مہک جاگ اُٹھی
دل کے سوئے ہُوئے تاروں میں کھنک جاگ اُٹھی

کس نے یوں میری طرف دیکھ کے باہیں کھولیں
شوخ جذبات نے سینے میں نگاہیں کھولیں
ہونٹ تپنے لگے زلفوں میں لچک جاگ اُٹھی
دل کے سوئے ہُوئے تاروں میں کھنک جاگ اُٹھی

کس کے ہاتھوں نے مرے ہاتھوں سے کچھ مانگا ہے
کس کے خوابوں نے مرے خوابوں سے کچھ مانگا ہے
دل مچلنے لگا آنچل میں دھنک جاگ اُٹھی
دل کے سوئے ہُوئے تاروں میں کھنک جاگ اُٹھی

○ ۸

میں نے شاید تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے

اجنبی سی ہو مگر غیر نہیں لگتی ہو
وہم سے بھی جو ہو نازک وہ یقیں لگتی ہو
ہائے یہ پھول سا چہرہ یہ گھنیری زلفیں
میرے شعروں سے بھی تم مجھ کو حسیں لگتی ہو
میں نے شاید تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے
دیکھ کر تم کو کسی رات کی یاد آتی ہے
ایک خاموش ملاقات کی یاد آتی ہے
ذہن میں حسن کی ٹھنڈک کا اثر جاگتا ہے
آنچ دیتی ہوئی برسات کی یاد آتی ہے
میں نے شاید تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے

میری آنکھوں پہ جھکی رہتی پلکیں جس کی
تم وہی میرے خیالوں کی پری ہو کہ نہیں
کہیں پہلے کی طرح پھر تو نہ کھو جاؤ گی
جو ہمیشہ کے لیے ہو وہ خوشی ہو کہ نہیں
میں نے شاید تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے

○

زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات
ایک انجان حسینہ سے ملاقات کی رات

ہائے وہ ریشمی زلفوں سے برستا پانی ،
پھول سے گالوں پہ رُکنے کو ترستا پانی
دل میں طوفان اُٹھاتے ہُوئے جذبات کی رات
زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات

ڈر کے بجلی سے اچانک وہ لپٹنا اس کا
اور پھر شرم سے بل کھا کے سمٹنا اس کا
کبھی دیکھی نہ سنی ایسی طلسمات کی رات
زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات

سرخ آنچل کو دبا کر جو نچوڑا اس نے
دل پہ جلتا ہوا اک تیر سا چھوڑا اس نے
آگ پانی میں لگاتے ہوئے حالات کی رات
زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات

میرے نغموں میں جو بستی ہے وہ تصویر تھی وہ
نوجوانی کے حسیں خواب کی تعبیر تھی وہ
آسمانوں سے اتر آئی تھی جو رات کی رات
زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات

○

اپنا دل پیش کروں، اپنی وفا پیش کروں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا تجھے کیا پیش کروں

تیرے ملنے کی خوشی میں کوئی نغمہ چھیڑوں
یا ترے دردِ جدائی کا گلہ پیش کروں،

میرے خوابوں میں بھی تو، میرے خیالوں میں بھی تو
کون سی چیز تجھے تجھ سے جدا پیش کروں

جو ترے دل کو لبھائے وہ ادا مجھ میں نہیں
کیوں نہ تجھ کو کوئی تیری ہی ادا پیش کروں

بھول سکتا ہے بھلا کون یہ پیاری آنکھیں
رنگ میں ڈوبی ہوئی، نیند سے بھاری آنکھیں

میری ہر سوچ نے ہر سانس نے چاہا ہے تمھیں
جب سے دیکھا ہے تمھیں تب سے سراہا ہے تمھیں
بس گئی ہیں مری آنکھوں میں تمھاری آنکھیں

تم جو نظروں کو اُٹھاؤ تو ستارے جھک جائیں
تم جو پلکوں کو جھکاؤ تو زمانے جھک جائیں
کیوں نہ بن جائیں ان آنکھوں کی پجاری آنکھیں

جاگتی رات کو سپنوں کا خزانہ مل جائے
تم جو مل جاؤ تو جینے کا بہانہ مل جائے
اپنی قسمت پہ کریں ناز ہماری آنکھیں،

○

آج کی رات مرادوں کی برات آئی ہے

آج کی رات نہیں شکوے شکایت کے لیے
آج ہر لمحہ، ہر اک پل ہے محبّت کے لیے
ریشمی سیج ہے، مہکی ہوئی تنہائی ہے
آج کی رات مرادوں کی برات آئی ہے

ہر گنہ آج مقدّس ہے فرشتوں کی طرح
کانپتے ہاتھوں کو مل جانے دو رشتوں کی طرح
آج ملنے میں نہ الجھن ہے نہ رسوائی ہے
آج کی رات مرادوں کی برات آئی ہے

اپنی زلفیں مرے شانے پہ بکھر جانے دو
اس حسیں رات کو کچھ اور نکھر جانے دو
صبح نے آج نہ آنے کی قسم کھائی ہے
آج کی رات مرادوں کی برات آئی ہے

○

جو بات تجھ میں ہے، تری تصویر میں نہیں

رنگوں میں تیرا عکس ڈھلا، تو نہ ڈھل سکی
سانسوں کی آنچ جسم کی خوشبو نہ ڈھل سکی
تجھ میں جو لوچ ہے مری تحریر میں نہیں

بے جان حسن میں کہاں رفتار کی ادا
انکار کی ادا ہے نہ اقرار کی ادا
کوئی لچک بھی زلفِ گرہ گیر میں نہیں

دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے تیری طرح
پھر ایک بار سامنے آجا کسی طرح
کیا اور اک جھلک مری تقدیر میں نہیں

○

یہ وادیاں، یہ فضائیں بلا رہی ہیں تمھیں
خموشیوں کی صدائیں بلا رہی ہیں تمھیں

ترس رہے ہیں جواں پھول ہونٹ چھونے کو
مچل مچل کے ہوائیں بلا رہی ہیں تمھیں

تمھاری زلفوں سے خوشبو کی بھیک لینے کو
جھکی جھکی سی گھٹائیں بلا رہی ہیں تمھیں

حسین چمپئی پیروں کو جب سے دیکھا ہے
ندی کی مست ادائیں بلا رہی ہیں تمھیں

مرا کہا نہ سنو، ان کی بات تو سُن لو
ہر ایک دل کی دعائیں بلا رہی ہیں تمھیں

○

مجھے گلے سے لگا لو بہت اُداس ہوں میں
غمِ جہاں سے چھڑا لو بہت اُداس ہوں میں

یہ انتظار کا دکھ اب سہا نہیں جاتا
تڑپ رہی ہے محبت رہا نہیں جاتا
تم اپنے پاس بلا لو بہت اُداس ہوں میں

ہر ایک سانس میں ملنے کی پیاس پلتی ہے
سلگ رہا ہے بدن اور روح جلتی ہے
بچا سکو تو بچا لو بہت اُداس ہوں میں

بھٹک چکی ہوں بہت زندگی کی راہوں میں
مجھے اب آ کے چھپا لو تم اپنی باہوں میں
مرا سوال نہ ٹالو بہت اُداس ہوں میں

○

جرمِ الفت پہ ہمیں لوگ سزا دیتے ہیں
کیسے نادان ہیں شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

ہم سے دیوانے کہیں ترکِ وفا کرتے ہیں
جان جائے کہ رہے بات نبھا دیتے ہیں

آپ دولت کے ترازو میں دلوں کو تولیں
ہم محبّت سے محبّت کا صلہ دیتے ہیں

تخت کیا چیز ہے اور لعل و جواہر کیا ہیں
عشق والے تو خدائی بھی لٹا دیتے ہیں

ہم نے دل دے بھی دیا، عہدِ وفا لے بھی لیا
آپ اب شوق سے دے لیں جو سزا دیتے ہیں

○

نغمہ و شعر کی سوغات کسے پیش کروں
یہ چھلکتے ہوئے جذبات کسے پیش کروں

شوخ آنکھوں کے اجالوں کو لٹاؤں کس پر
مست زلفوں کی سیہ رات کسے پیش کروں

گرم سانسوں میں چھپے راز بتاؤں کس کو
نرم ہونٹوں میں دبی بات کسے پیش کروں

کوئی ہمراز تو پاؤں کوئی ہم دم تو ملے
دل کی دھڑکن کے اشارات کسے پیش کروں

○

تم چلی جاؤگی، پرچھائیاں رہ جائیں گی
کچھ نہ کچھ حسن کی رعنائیاں رہ جائیں گی

تم کہ اس جھیل کے ساحل پہ ملی ہو مجھ سے
جب بھی دیکھوں گا یہیں مجھ کو نظر آؤ گی
یاد مٹتی ہے نہ منظر کوئی مٹ سکتا ہے
دور جا کر بھی تم اپنے کو یہیں پاؤ گی

گھل کے رہ جائے گی جھونکوں میں بدن کی خوشبو
زلف کا عکس گھٹاؤں میں رہے گا صدیوں
پھول چپکے سے چرالیں گے لبوں کی سرخی
یہ جواں حسن فضاؤں میں رہے گا صدیوں

اِس دھڑکتی ہُوئی شاداب و حسیں وادی میں
یہ نہ سمجھو کہ ذرا دیر کا قصّہ ہو تم!
اب ہمیشہ کے لیے میرے مقدّر کی طرح
ان نظّاروں کے مقدّر کا بھی حِصّہ ہو تم

تم چلی جاؤ گی پرچھائیاں رہ جائیں گی
کچھ نہ کچھ حسن کی رعنائیاں رہ جائیں گی

○

یہ زلف اگر کھُل کے بکھر جائے تو اچھا
اس رات کی تقدیر سنور جائے تو اچھا

جس طرح سے تھوڑی سی ترے ساتھ کٹی ہے
باقی بھی اسی طرح گزر جائے تو اچھا

دنیا کی نگاہوں میں بُرا کیا ہے بھلا کیا
یہ بوجھ اگر دل سے اُتر جائے تو اچھا

ویسے تو تمھیں نے مجھے برباد کیا ہے
الزام کسی اور کے سر جائے تو اچھا

○

محفل سے اُٹھ جانے والو! تم لوگوں پر کیا الزام
تم آباد گھروں کے باسی ہیں آوارہ اور بدنام
میرے ساتھی خالی جام

دو دن تم نے پیار جتایا دو دن تم سے میل رہا
اچھا خاصا وقت کٹا اور اچھا خاصا کھیل رہا
اب اس کھیل کا ذکر ہی کیا کہ وقت کٹا اور کھیل تمام
میرے ساتھی خالی جام

تم نے ڈھونڈی سکھ کی دولت میں نے پالا غم کا روگ
کیسے بنتا کیسے نبھتا یہ رشتہ اور یہ سنجوگ
میں نے دل کو دل سے تولا تم نے مانگے پیار کے دام
میرے ساتھی خالی جام

تم دنیا کو بہتر سمجھے، میں پاگل تھا خوار ہُوا
تم کو اپنانے نکلا تھا خود سے بھی بیزار ہُوا
دیکھ لیا گھر پھونک تماشا، جان لیا میں نے انجام
میرے ساتھی خالی جام

رات بھی ہے کچھ بھیگی بھیگی
چاند بھی ہے کچھ مدھم مدھم
تم آؤ تو آنکھیں کھولے
سوئی ہوئی پائل کی چھم چھم
کس کو بتائیں کیسے بتائیں
آج عجب ہے دل کا عالم
چین بھی ہے کچھ ہلکا ہلکا
درد بھی ہے کچھ مدھم مدھم

تپتے دل پر یوں گرتی ہے
تیری نظر سے پیار کی شبنم
جلتے ہوئے جنگل پر جیسے
برکھا برسے رُک رُک تھم تھم
ہوش میں تھوڑی بے ہوشی ہے
بے ہوشی میں ہوش ہے کم کم
تجھ کو پانے کی کوشش میں
دونوں جہاں سے کھوئے گئے ہم

○

(1) سب میں شامل ہو مگر سب سے جدا لگتی ہو
صرف ہم سے نہیں خود سے بھی خفا لگتی ہو

آنکھ اُٹھتی ہے نہ جھکتی ہے کسی کی خاطر
سانس چڑھتی ہے نہ رُکتی ہے کسی کی خاطر
جو کسی در پہ نہ ٹھہرے وہ ہوا لگتی ہو

(2) زلف لہرائے تو آنچل میں چھپا لیتی ہو
ہونٹ تھرّائیں تو دانتوں میں دبا لیتی ہو
جو کبھی کھل کے نہ برسے وہ گھٹا لگتی ہو

(3) جاگی جاگی نظر آئی ہو نہ سوئی سوئی
تم کہ ہو اپنے خیالات میں کھوئی کھوئی
کسی مایوس مصوّر کی دعا لگتی ہو

○

تم اگر مجھ کو نہ چاہو تو کوئی بات نہیں (۱)
تم کسی اور کو چاہو گی تو مشکل ہو گی

اب اگر میل نہیں ہے تو جدائی بھی نہیں
بات توڑی بھی نہیں تم نے بنائی بھی نہیں
یہ سہارا ابھی بہت ہے مرے جینے کے لیے
تم اگر میری نہیں ہو تو پرائی بھی نہیں
میرے دل کو نہ سراہو تو کوئی بات نہیں
غیر کے دل کو سراہو گی تو مشکل ہو گی (۱)

(۲) تم حسیں ہو تمھیں سب پیار ہی کرتے ہوں گے
میں جو مرتا ہوں تو کیا اور بھی مرتے ہوں گے

سب کی آنکھوں میں اسی شوق کا طوفاں ہوگا
سب کے سینے میں بھی درد اُبھرتے ہوں گے
میرے غم میں نہ گرا ہو تو کوئی بات نہیں
اور کے غم میں گرا ہوگی تو مشکل ہوگی

پھول کی طرح ہنسو سب کی نگاہوں میں رہو
اپنی معصوم جوانی کی پناہوں میں رہو
مجھ کو وہ دن نہ دکھانا تمھیں اپنی ہی قسم
میں ترستا رہوں تم غیر کی باہوں میں رہو
تم جو مجھ سے نہ نبا ہو تو کوئی بات نہیں
کسی دشمن سے نبا ہوگی تو مشکل ہوگی

تم اگر مجھ کو نہ چاہو تو کوئی بات نہیں
تم کسی اور کو چاہوگی تو مشکل ہوگی

پربتوں کے پیڑوں پر شام کا بسیرا ہے
سرمئی اجالا ہے، چمپئی اندھیرا ہے

دونوں وقت ملتے ہیں دو دلوں کی صورت ہیں
آسماں نے خوش ہو کر رنگ سا بکھیرا ہے

ٹھہرے ٹھہرے پانی میں گیت سرسراتے ہیں
بھیگے بھیگے جھونکوں میں خوشبوؤں کا ڈیرا ہے

کیوں نہ جذب ہو جائیں اس حسین نظارے میں
روشنی کا جھرمٹ ہے مستیوں کا گھیرا ہے